AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 1, No. 4 (2024)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

خطبات احمدیہ میں سر سید احمد کے عقلیت وجدت پسندانہ رجحانات
(تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ)

SIR SYED AHMAD RATIONALISTIC AND MODERNIST TENDENCIES IN KHUTBAT E AHMADIYAH __ RESEARCH AND ANALYTICAL STUDY

Salman Hussain
M.Phil. Islamic Studies, Sheikh Zayed Islamic Centre, University of the Punjab
Email: Salmanhussaim3@gmail.com
Dr. Haris Mubeen
Professor, Sheikh Zayed Islamic Centre, University of the Punjab, Lahore

Abstract
Sir Syed Ahmad Khan, a towering intellectual, reformer, and historian of the 19th century, contributed significantly to Islamic thought and the defense of the Prophet Muhammad's (PBUH) biography through his seminal work Khutbat-e-Ahmadiyah. This book was written as a response to Sir William Muir's controversial Life of Mohammed. While defending the Prophet's character, Sir Syed introduced new interpretations of several established religious and historical events, reflecting his rationalist and modernist approach. However, these reinterpretations often led to the rejection or redefinition of traditionally accepted Islamic beliefs.

Among such instances, Sir Syed identified Prophet Isaac (AS) instead of Prophet Ishmael (AS) as the "sacrificed son", favored monogamy over polygamy except in rare cases, denied the continued existence of slavery in Islam, and promoted individual ijtihad (independent reasoning) over strict adherence to the opinions of the Prophet's companions. He redefined jihad as permissible only in cases of religious persecution, not as a standing command. He considered the Hajr-e-Aswad an ordinary stone, dismissed the sacredness of Ashhar ul-Haram (Sacred Months), and held that the Prophet (PBUH) was born as a Prophet rather than receiving Prophethood at the age of 40. He also saw Zamzam as an ordinary well, regarded the Ashab-e-Feel event as a natural epidemic (smallpox) rather than divine intervention, interpreted Isra and Mi'raj as spiritual, and viewed the Seal of Prophet hood as a physical swelling due to illness rather than a divine mark. I have also presented the traditional perspective on sir Syed weak reasoning and his rationalist and modernist interpretations of certain events.

Keywords: *Sir Syed, Khutbat-e-Ahmadiya, Rationalism, Modernism, Apologetic.*

موضوع کا تعارف

نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس قرآن مجید کی عملی تفسیر اور اسوہ حسنہ ہے، جس پر عمل پیرا ہو کر انسان اپنی انفرادی، اجتماعی، اخلاقی، روحانی اور معاشرتی زندگی کو منظم کر سکتا ہے۔ سیرت نگاری کی روایت کے ابتدائی دور میں محدثین و مؤرخین کے اسلوب و منہج میں اختلافات موجود تھے۔ محدثین روایت کی صحت و سند کی کڑی شرائط اور مورخین

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 1, No. 4 (2024)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

نرمی کے قائل تھے۔اسی وجہ سے سیرت میں ایسی اضافی جزئیات شامل ہوئیں جن کی صحت پر بعد ازاں سوال اٹھائے گئے۔ان روایات کو بعد میں مستشرقین نے اسلام پر تنقید کے لیے بطور ہتھیار استعمال کیا۔

استشراق کی تحریک خصوصاً برطانوی استعمار کے زمانے میں برصغیر میں اثر انداز ہوئی۔مستشرقین نے سیرت کی ان غیر مصدقہ یا ضعیف روایات کو بنیاد بنا کر نبی کریم ﷺ کی ذات اور اسلامی تعلیمات پر علمی حملے کیے۔ان کے مقاصد میں اسلام کو تاریخی اعتبار سے غیر معتبر اور نبی کریم ﷺ کی سیرت کو محض انسانی کوشش اور روایت کے طور پر پیش کرنا شامل تھا۔ان حملوں کے جواب میں برصغیر کے مسلم مفکرین نے علمی دفاع کا راستہ اختیار کیا، جن میں سرسید احمد خان سرفہرست ہیں۔سرسید نے مغربی افکار سے مرعوب ہو کر معذرت خواہانہ رویہ اختیار کیا، جس کی بدولت دینی و تاریخی مسلمات کا یا تو انکار کیا یا پھر اس میں بہت رکیک دلائل کی بنیاد پر تاویلیں کیں۔سر ولیم میور نے "لائف آف محمد" چار ضخیم جلدوں میں لکھی تو سرسید نے ان میں سے صرف پہلی جلد کا جواب دیا۔خطبات احمدیہ ایک جلد میں ہے۔سرسید نے یہ کتاب برطانیہ میں جا کر لکھی، برٹش لائبریری میں یہ کام سرانجام دیا، بقول ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ "سرسید انگلش و عربی نہیں جانتے تھے اس کام کے لیے اردو و عربی کے لیے ایک ایک مترجم رکھا ہوا تھا جن کو سرسید معاوضہ دیا کرتے تھے۔"

اب ان واقعات کو بیان کرتے ہیں جن میں عقلی وجدت پسند رجحانات پائے جاتے ہیں۔

1۔ذبیح کون؟

ان واقعات میں سب سے پہلی مثال 'واقعہ ذبیح' کی ہے، اس واقعہ کے متعلق سرسید احمد خاں کا خیال ہے کہ جو روایت لوگوں میں مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کا حکم دیا تھا وہ روایت درست نہیں، بلکہ وہ روایت زیادہ تقویت کی حامل ہے جس میں حضرت اسحاقؑ کی قربانی کا حکم صادر ہوا ہے[1]، پھر وہ قرآن مجید کی آیات لکھتے ہیں جس میں حضرت ابراہیمؑ کو قربانی کا حکم ہوا تھا۔آیات درج ذیل ہیں۔

"قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰۗؤُا الْمُبِيْنُ ۝وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝"[2]

ترجمہ:"ابراہیمؑ نے اس سے کہا، "بیٹا، میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، اب تو بتا، تیرا کیا خیال ہے؟" اس نے کہا، "ابا جان، جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اسے کر ڈالیے، آپ اِن شاءَ اللہ مجھے صابروں میں سے پائیں گے" آخر کو جب ان دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیمؑ نے بیٹے کو ماتھے کے بل گرا دیا، اور ہم نے ندا دی کہ "اے ابراہیمؑ تو نے خواب سچ کر دکھایا ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی" اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا۔"

سرسید ان آیات کے بارے میں ابہام (عدم وضاحت) کا اظہار کرتے ہیں اور اس کے ساتھ قربانی کی نسبت والی روایات کو غیر معتبر و مستند قرار دیتے ہیں۔اس اختلاف کا سبب توریت مقدس کی آیت (سفر تکوین باب ۲۲ آیت ۲،۱) کو مبہم اور غیر واضح ہونے کی وجہ قرار دیتے ہیں کیونکہ جس آیت میں قربانی کی جگہ کا ذکر ہے وہاں "موریا" کا لفظ استعمال ہوا ہے، جس سے بعض مصنفین اس گمنام جگہ کو بیت المقدس اور اس کے قریب پہاڑ اور بعض اس کو مکہ مکرمہ کے قریب پہاڑ قرار دیتے ہیں۔

سرسید احمد لکھتے ہیں کہ

"مگر ذی علم مسلمان عالموں کا صاف بیان ہے کہ حضرت اسحاقؑ کی نسبت قربانی کا حکم ہوا تھا نہ کہ حضرت اسماعیلؑ کی نسبت۔"[3]

---

[1] سرسید احمد، الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ، (لاہور، دوست ایسوسی ایٹس) صفحہ 108

[2] سورہ الصافات آیت 102 تا 107

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 1, No. 4 (2024)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

سر سید اپنے موقف کی تائید کے لیے مسروق کی روایت بیان کرتے ہیں، جو درج ذیل ہے؛

وعن محمد بن المنتشر قال: إن رجلا نذر ان ينحر نفسه إن نجاه الله من عدوه فسال ابن عباس فقال له: سل مسروقا فساله فقال له: لا تنحر نفسك فإنك إن كنت مؤمنا قتلت نفسا مؤمنة وإن كنت كافرا تعجلت إلى النار واشتر كبشا فاذبحه للمساكين فإن إسحاق خير منك وفدي بكبش فاخبر ابن عباس فقال: هكذا كنت اردت ان افتيك-رواه ابن رزين[4]

ایک اور مقام پر سر سید لکھتے ہیں کہ

" "انا ابن الذبيحين" کی روایت نہایت غلط ہے۔ اسماعیلؑ کبھی قربان نہیں ہوئے جیسا کہ ہم نے اپنے اس خطبہ میں ثابت کیا ہے جو عرب کے تاریخی جغرافیہ پر لکھا ہے اور عبداللہ کی قربانی کا بیان محض غلط ہے۔"[5]

سر سید روایت مسروق سے استدلال کر کے حضرت اسحاقؑ کو ذبیح قرار دیتے ہیں، تعجب کی بات یہ ہے کہ ایک طرف قربانی کی نسبت والی روایات کو غیر معتبر و مستند قرار دیتے ہیں، دوسری طرف انہی روایتوں میں سے ایک سے استدلال کرتے ہیں۔ جبکہ سورہ الصافات میں سیاق و سباق سے ثابت شدہ ہے کہ پہلے واقعہ ذبح کا ذکر ہے اور اس کے بعد بشارت حضرت اسحاقؑ ہے، جبکہ پہلوٹھے حضرت اسماعیلؑ تھے۔ تو ذبیح حضرت اسماعیلؑ ہی ہیں۔

2۔ تعدد ازواج

سر ولیم میور "لائف آف محمد" میں کہتے ہیں کہ اسلام میں تین بڑی خرابیاں ہیں جن میں ایک بڑی خرابی تعدد ازواج ہے، سر سید جواب میں تعدد ازواج پر تین پہلوؤں سے بحث کرتے ہیں۔[6]

قانون قدرت(Nature Law)

قانون قدرت میں اللہ تعالیٰ کی منشا و ارادہ بیان کرتے ہیں کہ ذی روح کو کثیر الازواج بنایا ہے، بعض جانور بطور فطرت ایک شریک حیات رکھتے ہیں، دوسری طرف کچھ جانور ایک نر کے ساتھ ایک سے زائد مادائیں رکھتے ہیں۔ انسان فطری طور پر دوسری قسم کے جانداروں میں شمار ہوتا ہے البتہ انسان کو عقل و شعور سے نوازا گیا ہے، جو اسے جانوروں سے ممتاز کرتا ہے، اس لیے عقل و شعور سے کام لے کر مرد فیصلہ کرے کہ کہاں ایک سے زائد شادیاں درست ہیں اور کہاں نہیں۔

باہمی معاشرت(Social life)

اللہ نے مرد کے ساتھ عورت کو پیدا کیا کیونکہ انسان فطری طور پر تنہا نہیں رہ سکتا اور عورت اس کی تسکین و راحت اور غم کو کم کرنے کے لیے پیدا کی گئی ہے، اور سب سے بڑھ کر مقصد "بڑھو اور پھلو اور زمین آباد کرو" کو پورا کرنے سے عورت اگر قاصر ہو تو شوہر ایک سے زائد شادی کرے گا۔ پھر رسم جاہلیت کو محدود کرنے کے بارے لکھتے ہیں کہ عرب میں تعدد ازواج کا رواج تھا، پھر گرم علاقوں میں عورت کے (بنسبت مرد) جلد بوڑھے ہونے اور مرد کے توانا ہونے کی وجہ سے استثنائی صورتوں میں اجازت کو بیان کرتے ہیں کہ مرد ایک سے زائد شادی کر سکتا ہے۔ اس اجازت سے معاشرتی برائیوں کے تدارک میں مدد ملے گی۔

مذہب(Religion)

---

[3] سر سید احمد، الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ، (لاہور، دوست ایسوسی ایٹس) صفحہ 109

[4] خطیب تبریزی، محمد بن عبداللہ، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان والنذور، حدیث 3445

[5] سر سید احمد، الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ، (لاہور، دوست ایسوسی ایٹس) صفحہ 307

[6] ایضا، صفحہ 159-164

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 1, No. 4 (2024)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

سر سید اس میں بحث کرتے ہیں کہ مذہب موسوی (یہودیت) اور عیسائیت میں تعددِ ازواج کی واضح اجازت تھی۔ اسلام نے دیگر مذاہب کی نسبت بہتر انداز میں اس پر قابو پایا اور اس کی ایک حد مقرر کر دی۔ اسلام کا اصل پیغام یہی ہے کہ ایک ہی بیوی کو ترجیح دی جائے اور تعدد صرف مخصوص، ناگزیر حالات میں ہی جائز ہے۔ قرآن مجید کی آیت اس مسئلے کو بہت فصاحت و بلاغت کے ساتھ حل کرتی ہے کہ:

''فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً ''[7]

اگر عدل نہ کر سکنے کا محض خدشہ بھی ہو تو ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنا چاہیے۔ عدل کی شرط (برابر محبت، حقوق، وقت وغیرہ) اتنی سخت اور مشکل ہے کہ دیندار افراد اس اجازت کو صرف ضرورت کی صورت میں استعمال کرتے ہیں۔ اسلام میں تعددِ ازواج کی اجازت ایک عمومی حکم نہیں، بلکہ ایک استثنائی رعایت ہے، جو شرائط پوری کیے بغیر استعمال کرنا خلافِ دیانت و مذہب ہے۔ دوسری جگہ متعدد بیویاں رکھنے والوں کو قرآن میں ان الفاظ سے ہدایت کی ہے کہ

'' وَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَيۡنَ النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ فَلَا تَمِيۡلُوۡا كُلَّ الۡمَيۡلِ فَتَذَرُوۡهَا كَالۡمُعَلَّقَةِ‌ؕ وَاِنۡ تُصۡلِحُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۞ وَاِنۡ يَّتَفَرَّقَا يُغۡنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنۡ سَعَتِهٖ‌ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيۡمًا ۞''[8]

اس آیت کی تفسیر میں سر سید احمد خان کے مطابق تعددِ ازواج کی اجازت عدل کے قیام سے مشروط ہے، اور چونکہ عدل انسانی سطح پر ممکن نہیں، اس لیے اس اجازت کا حقیقی اطلاق صرف مخصوص حالات میں ہوتا ہے۔ شارع نے قانونِ فطرت اور حسنِ معاشرت دونوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے نہایت حکمت سے یہ حکم دیا۔ جو لوگ اس استثنائی اجازت کو نفسانی خواہشات کے لیے استعمال کرتے ہیں، وہ اللہ کے ہاں جواب دہ ہوں گے، کیونکہ اللہ دلوں کے ارادوں کو جاننے والا ہے۔[9]

3۔ غلامی کا تصور

غلامی کی نسبت سر سید کا موقف ہے کہ اسلام نے غلامی کو معدوم کر دیا ہے، سر سید، گاڈفری ہگنز کے غلامی پر استدلال (جو چار صفحات پر مشتمل ہے) کو بیان کر کے حاشیے میں موقف اپناتے ہیں کہ گاڈ کا یہ کہنا کہ ''حضرت محمد ﷺ نے غلامی کو موقوف نہیں کیا'' غلط ہے اور کہتے ہیں کہ جو لوگ صحابہ کرام کے اجتہاد کی پراہ نہیں کرتے اور حضرت محمد ﷺ کی ہی تقلید کرتے ہیں وہ قرآن مجید اور سیرت النبی ﷺ میں واضح حکم پاتے ہیں کہ غلامی کو آئندہ کے لیے قطعاً موقوف کر دیا گیا ہے۔ اور ہر انسان کو آزاد پیدا کیا گیا ہے۔ سر سید گاڈ کے اس استدلال سے اتفاق کرتے ہیں کہ اسلام لانے سے غلامی ساقط ہو جاتی ہے۔ سر سید ایک روایت نقل کر کے کہتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ نے تمام انسانوں کو خدا کا غلام قرار دیا ہے۔[10]

پھر لکھتے ہیں کہ عہد نبوی میں زمانہ جاہلیت کی غلامی کو اچانک معدوم کرنا محالات عملی سے تھا، اور آئندہ کی غلامی کو مساواتی حقوق کے ذریعے رغبت دلا کر بتدریج موقوف کرنا ہی منشا تھا۔ سر سید قرآنی آیت سے استدلال کر کے غلامی کو موقوف قرار دیتے ہیں، آیت درج ذیل ہے۔

''فَاِذَا لَقِيۡتُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَضَرۡبَ الرِّقَابِ‌ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثۡخَنۡتُمُوۡهُمۡ فَشُدُّوا الۡوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعۡدُ وَاِمَّا فِدَآءً''[11]

ترجمہ: '' پس جب ان کافروں سے تمہاری مُڈ بھیڑ ہو تو پہلا کام گردنیں مارنا ہے، یہاں تک کہ جب تم ان کو اچھی طرح کچل دو تب قیدیوں کو مضبوط باندھو، اس کے بعد احسان کرو یا فدیے کا معاملہ کر لو''۔

---

[7] سورہ نساء آیت 3

[8] سورہ نساء آیت 129-130

[9] سر سید احمد، الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ، (لاہور، دوست ایسوسی ایٹس) صفحہ 164

[10] ایضاً صفحہ 154-173 تا 176

[11] سورہ محمد آیت 4

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 1, No. 4 (2024)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت کی رسم، اسیر ان جنگ، کو بھی قرآن مجید کے بیان کے مطابق "فَاِمَّا مَنًّۢا بَعۡدُ وَاِمَّا فِدَآءً "[12] ختم کر دیا گیا۔ اور مغلوب ہونے پر قید کا حکم جان بچانے کے واسطے آیا ہے اور قید ہونے پر دو حکم میں سے ایک پر عمل کرنا فرض ہے اور جب تک قیدی ہو گا وہ مملوک تصور نہیں کیا جائے گا۔

حالانکہ اسلام میں غلامی کا تصور موجود ہے، جنگ کی صورت میں حکمت و مصلحت کے تحت قید کرنا بہتر تجویز کیا ہے۔ البتہ غلام بنانے کا حکم تو نہیں دیا لیکن آخری درجے میں اس کی گنجائش رکھتے ہوئے اجازت دی ہے۔ غلامی قطعی طور پر موقوف نہیں ہوئی، مالک کو غلام کی نسبت خاص ہدایات اور تعلیمات دی گئیں، جو مساوات پر مبنی ہیں۔ (راقم)

4۔ مذہبی آزادی رائے (اجتہاد)

سر سید کے ہاں اسلامی تعلیمات کے مطابق، ہر مسلمان کو دین کے معاملات میں تحقیق اور رائے دینے کی آزادی حاصل ہے۔ وہ احادیث اور روایات جن کی سند کمزور ہو، یا جو عقل، فطرت اور قدرت کے خلاف ہوں، یا جھوٹی و من گھڑت ثابت ہوں، انہیں رد کرنے کا حق ہر فرد کو حاصل ہے۔

اسلام میں قرآنِ مجید کو وحی الٰہی ماننے کے باوجود، اس کے معانی و احکام پر غور و فکر کی اجازت ہے۔ ہر شخص کو قرآن سے براہِ راست ہدایت لینے کا اختیار ہے اور وہ کسی دوسرے کے فہم یا اجتہاد کا پابند نہیں۔ اسلام میں کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی دوسرے پر اپنا فہم یا اجتہاد زبردستی مسلط کرے۔ یہاں تک کہ صحابہ کرامؓ کے بارے اسلاف کا بیان ہے کہ "ہم بھی انسان ہیں، وہ بھی انسان تھے" — یعنی ان کے اقوال پر بھی اندھی تقلید لازم نہیں۔ اس سے بڑھ کر مذہبی آزادیِ رائے کا تصور کسی اور دین میں نہیں پایا جاتا۔[13]

سر سید مذہب کے حوالے سے ہر شخص کے اجتہاد اور اس کے مطابق عمل کے قائل ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے، ہر شخص اجتہاد کی صلاحیت اور قابلیت نہیں رکھتا، جبکہ قرآن مجید کی عملی تفسیر صحابہ کرام کے سامنے سیرت رسول ﷺ کی صورت میں موجود تھی صحابہ کے بغیر دین کو سمجھنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے کیونکہ صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کی پیروی کرتے اور قول و فعل کو محفوظ رکھتے تھے، قرون اولیٰ کی نسبت دین اسلام کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

5۔ جہاد بالسیف کا تصور

سر سید نے خطبات احمدیہ میں روایتی موقف اپنایا ہے کہ اعلائے کلمۃ اللہ اور جان و مال اور عزت کی حفاظت کے لیے تلوار اٹھانا جائز ہے[14]، لیکن تفسیر القرآن[15] میں وہ روایت سے ہٹ کر اپنا موقف بیان کرتے ہیں، ہم ان کا تفسیر سے موقف اس لیے بیان کرنا چاہتے ہیں کیونکہ خطبات احمدیہ کے بعد تفسیر القرآن لکھی گئی تھی، جہاد کے حوالے سے سر سید کی نئی تعبیر ہے کہ اسلام بلاشبہ دو صورتوں میں تلوار اٹھانے کی اجازت دیتا ہے؛ ایک یہ کہ کافر اسلام کو مٹانے کی غرض سے، نہ کہ ملکی اغراض کے سبب، مسلمانوں پر حملہ آور ہوں، اور دوسرے یہ کہ مسلمانوں کو کسی ملک میں جان و مال کی امان اور مذہبی فرائض کی ادائیگی کی اجازت نہ ہو۔ لیکن یہ اجازت صرف ان مسلمانوں کو ہے، جو کسی دوسرے ملک کے باشندے ہوں اور کسی اور ملک کے مظلوم مسلمانوں کو بچانے کے لیے تلوار اٹھائیں۔ رہے وہ مسلمان جو کسی ملک میں بطور رعایا ہوں، تو ان پر وہاں خواہ ان کے دین کی بنا پر ظلم ہو، انہیں تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں۔ ان کے پاس صرف دو ہی صورتیں ہیں، ظلم سہیں یا ہجرت کر کے محفوظ جگہ لوٹ جائیں۔

6۔ حجر اسود

سر سید احمد خاں کے نزدیک حجر اسود ایک عام پتھر ہے، جو جلنے کی وجہ سے کالا ہو گیا ہے، اس کے علاوہ اس کی کوئی اہمیت نہیں البتہ اس کی نسبت حضرت ابراہیمؑ سے ضرور ہے، سر سید کا خیال ہے کہ یہ بنی ابراہیم میں رواج تھا کہ جہاں معبد بنانا ہوتا تھا، وہاں سب سے پہلے بن گھڑا (بغیر تراشے) پتھر نشانی کے طور پر رکھتے تھے، اسے بیت اللہ قرار

---

[12] ایضا

[13] سر سید احمد، الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ، (لاہور، دوست ایسوسی ایٹس) صفحہ 178-179

[14] ایضا، صفحہ 183-184

[15] سر سید احمد، تفسیر القرآن مع اصول تفسیر، (لاہور، 1880) صفحہ 313-315

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 1, No. 4 (2024)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

دیتے، پھر ایک چھوٹا سا کمرہ تیار کرتے تھے اور اس کے ساتھ مذبح (قربان گاہ) بھی ہوتا تھا، جیسا کہ کعبہ کے ساتھ یہ تمام چیزیں موجود ہیں، اسی طرح مذبح، معبد اور حجر اسود ابراہیم سے ثابت ہے، لیکن پتھر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ مذبح بنانے کے لیے پتھر پہلے رکھا جاتا تھا اور توریت کی آیت سے پتھر کی کیفیت بیان کرتے ہیں، آیت درج ذیل ہے۔

"اگر میرے لیے تو پتھر کا مذبح بنائے تو تراشے ہوئے پتھر کا مت بنائیو کیونکہ اگر تو اسے اوزار لگادے گا تو اسے ناپاک کر دے گا"[16]

اسی باب کی ایک آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ جب موسیٰؑ بنی اسرائیل سے ۷۰ بزرگ لے کر پہاڑ پر گئے اور جب موسیٰؑ نے ساری باتیں لکھ لی جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد باندھا تھا تو صبح سویرے اٹھ کر پہاڑ کے دامن میں قربان گاہ بنائی اور ہر قبیلے کے لیے الگ سے پتھر کے ستون کھڑے کیے تھے، پھر ازرقی کی کتاب اخبار مکہ سے روایت نقل کرتے ہیں جس میں لکھا ہے کہ یہ رسم صرف بنی اسرائیل میں نہیں تھی بلکہ بنی اسماعیل میں بھی یہی رواج تھا کہ جب معاش کی خاطر لوگ مکہ سے نکلے تو حرم کعبہ سے ایک پتھر اٹھا لیتے اور جہاں اترتے وہاں کعبہ کے پتھر کی طرح طواف کرتے اور ابراہیم کی اصل رسم کو بھول گئے تھے، سرسید حجر اسود سے متعلقہ روایتوں کو محض قصہ آمیز قرار دیتے ہیں۔ حجر اسود کی روایات کی سند پر تنقید کر کے اس کی فضیلت کا رد کرتے ہیں، سرسید خطبات احمدیہ میں لکھتے ہیں کہ

"قرآن مجید میں اس پتھر کا مطلق ذکر نہیں ہے اگر درحقیقت وہ ایسا ہی ہوتا جیسا کہ روایتوں کے بنانے والوں نے بیان کیا ہے تو ممکن نہ تھا کہ باوجود یہ کہ قرآن مجید میں کعبہ کے بننے کا ذکر ہے اور اس پتھر کا ذکر نہ کیا جاتا"[17]

اسی طرح حجر اسود سے متعلق جو روایت کتب حدیث میں بیان ہوئی ہے کہ قیامت کے دن حجر اسود اپنے بوسہ لینے والوں کو پہچان کر نام بتادے گا اور اس کی آنکھیں اور زبان ہوگی، سرسید اس کے لغوی معنیٰ نہیں لیتے اور بطور استعارہ قرار دیتے ہیں کہ ایسی روایتوں سے مراد ہے کہ انسانوں کی زندگی کے تمام کام قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہونگے اگرچہ مخفی اب بھی نہیں، لیکن ایسا بیان عام انسان کو سمجھانے کے لیے ہوتا ہے، پھر ساتھ ہی سرسید ان روایتوں کو صحیح تسلیم نہیں کرتے۔ حجر اسود کے نصب کرنے کا مقصد طواف کے آغاز و اختتام کی نشانی بتاتے ہیں، جب اسماعیلؑ پتھر لائے تو ابراہیم کو پسند نہیں آیا پھر ابراہیم خود جا کر اچھا سا پتھر ڈھونڈ کر لائے۔[18]

7۔ اشہر الحرام

سرسید کے مطابق رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم کو 'اشہر حرم' یعنی حرمت والے مہینے مانا دراصل جاہلی عرب کی ایک سماجی رسم تھی، نہ کہ کوئی دینی تقدس۔ ان مہینوں کو حرمت دینے کا سبب یہ تھا کہ جاہلیت کے دور میں عرب قبائل، جو اکثر خانہ جنگی کا شکار رہتے تھے، ان مہینوں میں جنگ روک دیا کرتے تھے تاکہ مختلف قبائل مکہ آکر امن کے ساتھ عبادات (بتوں کی پرستش اور حج) انجام دے سکیں۔ سرسید کے مطابق، اسلام نے ان مہینوں کے اسی رسم پر مبنی تقدس کو تسلیم نہیں کیا بلکہ رد کر دیا۔ اگرچہ قرآن میں ان مہینوں کا ذکر ہے، لیکن اسلام نے ان کے تقدس کو مستقل قانون نہیں بنایا، بلکہ فرمایا کہ ان مہینوں میں جنگ شروع نہ کی جائے، لیکن اگر دشمن حملہ کرے تو مسلمانوں کو جواب دینے کا حق ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے تقدس کو نہیں، بلکہ وقتی مصلحت کو پیشِ نظر رکھا۔ سورہ توبہ کی آیت سے استدلال کرتے ہیں، آیت درج ذیل ہے۔

"اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ ؕ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً "[19]

اس آیت کا جو ترجمہ سرسید نے کیا ہے، درج ذیل ہے۔

---

[16] توریت، کتاب خروج، باب 20، آیت 25

[17] سرسید احمد، الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ، (لاہور، دوست ایسوسی ایٹس) صفحہ 280

[18] سرسید احمد، الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ، (لاہور، دوست ایسوسی ایٹس) صفحہ 281

[19] سورہ توبہ، آیت 36

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 1, No. 4 (2024)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

''گنتی مہینوں کی، اللہ کے نزدیک برس کے بارہ مہینے ہیں خدا کے مقرر کئے ہوئے حکم میں جب سے کہ آسمان وزمین پیدا کیا انہی میں سے چار مہینے وہ ہیں جن کو اہل عرب اشہر حرم کہتے ہیں یہی ٹھیک حساب ہے۔ اب خدا تعالی فرماتے ہیں کہ ان چار مہینوں پر کچھ حصر نہیں ہے بلکہ تم ان بارہ کے بارہ مہینوں میں آپس میں مت لڑو۔''[20]

سر سید لکھتے ہیں کہ

''ضمیر 'فِيْهِنَّ' کی 'اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا' کی طرف راجع ہے نہ کہ 'اَرْبَعَةٌ' کی طرف''[21]

پھر لکھتے ہیں کہ

''پس یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ مذہب اسلام میں اشہر الحرام نہیں مانے جاتے، بلکہ بارہ کے بارہ مہینے ایک سے ہیں''[22]

سر سید کا استدلال انتہائی غلط ہے کیونکہ عربی قواعد کے رو سے ضمیر 'اَرْبَعَةٌ' ہی لوٹ رہی ہے۔

8۔ بعثت از ولادت باسعادت

سر سید نبی کریم ﷺ کی ولادت ہی سے آپ ﷺ کے مبعوث ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، چنانچہ حجر اسود کے خانہ کعبہ میں نصب کرنے کے تناظر میں لکھتے ہیں کہ

''متقدمین ومتاخرین علماء اس واقعہ کو واقعہ قبل بعثت کہتے ہیں، مگر میں ان لفظوں سے متفق نہیں ہوں کیونکہ میرا اعتقاد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ وقت ولادت سے ہی مبعوث تھے۔''النبی نبی ولو کان فی بطن امہ''۔''[23]

حالانکہ ایسا نہیں ہے ہم سر سید کے عقیدہ سے اتفاق نہیں کرتے، کیونکہ قرآن مجید کی کئی آیات کریمہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ ولادت سے ہی مبعوث نہیں تھے، ایک آیت درج ذیل ہے۔

'' هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍۙ''[24]

ترجمہ: ''وُہی ہے جس نے اُمّیوں کے اندر ایک رسُول خود اُنہی میں سے اُٹھایا، جو اُنہیں اُس کی آیات سناتا ہے، اُن کی زندگی سنوارتا ہے، اور اُن کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ حالانکہ اِس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔''

9۔ آب زمزم کی حقیقت اور عبد المطلب کا کھودنا

سر سید کے مطابق جب سے کعبہ کا وجود ہے، زمزم کا چشمہ بھی اسی سے جڑا ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مکہ کی آبادی اور کعبہ کی تعمیر اسی چشمے کے وجود کی وجہ سے ہوئی۔ اگرچہ یہ چشمہ خشک ہو گیا تھا، لیکن اس کی جگہ ایک کنواں کھودا گیا جو "چاہِ زمزم" کے نام سے جانا جاتا ہے۔

عرب کی سرزمین بہت خشک ہے، وہاں بارش بہت کم ہوتی ہے اور کوئی مستقل دریا بھی نہیں ہے، اس لیے پانی کی شدید قلت رہتی ہے۔ پرانے زمانے میں لوگ پانی کی تلاش میں سفر کرتے، جہاں پانی ملتا وہیں خیمے لگا کر آباد ہو جاتے۔ پانی ختم ہونے پر وہ کسی اور جگہ منتقل ہو جاتے، یہی طرز زندگی صحرا نشین بدوؤں کا تھا۔ کبھی کبھی پہاڑوں میں یا ان کی

---

[20] سر سید احمد، الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ، (لاہور، دوست ایسوسی ایٹس) صفحہ 286

[21] سر سید احمد، الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ، (لاہور، دوست ایسوسی ایٹس) صفحہ 286

[22] ایضا

[23] ایضا، صفحہ 292

[24] سورہ جمعہ، آیت 2

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 1, No. 4 (2024)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

تہوں میں پانی جمع ہو جاتا اور زیرِ زمین سوتوں سے بہہ کر چشمہ کی صورت میں نکل آتا، لیکن یہ سوتیں بہت کمزور اور ناپائیدار ہوتیں۔ اگر ذرا سی مٹی، پتھر یا کانٹے بھی ان پر آ جاتے تو وہ فوراً بند ہو جاتیں۔ آج بھی بدو ایسے چشموں کو چھپانے کے لیے تھوڑے سے پتھر یا کانٹے ڈال کر انہیں پوشیدہ کر دیتے ہیں۔ سرسید کا خیال ہے کہ زمزم کے بارے میں وقت کے ساتھ ساتھ ایسی بہت سی غیر حقیقی، بڑھا چڑھا کر بیان کی گئی روایات مشہور ہو گئی ہیں جن کا کوئی مستند ثبوت نہیں ہے۔ جتنا یہ چشمہ قدیم ہے، اتنا ہی اس کے بارے میں تقدس اور حیرت انگیز کہانیاں تراشی گئی ہیں جو حقیقت سے زیادہ مبالغہ پر مبنی ہیں۔[25]

زمزم چشمے کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ حضرت ہاجرہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ، اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کے ساتھ حسد اور گھریلو تنازعہ کے باعث صحرا میں چھوڑ دی گئیں۔ جب پانی ختم ہوا اور پیاس شدت اختیار کر گئی تو حضرت ہاجرہ نے پریشانی میں ادھر ادھر پانی کی تلاش شروع کی۔ اچانک کنکروں کے نیچے پانی کا نشان ملا، ہٹانے پر چشمہ پھوٹ پڑا، اور دونوں نے سیر ہو کر پانی پیا۔ یہ چشمہ وقت گزرنے کے ساتھ خشک ہو گیا اور صدیوں تک فراموش رہا۔ پھر واقعہ عام الفیل کے بعد رسول اکرم ﷺ کے دادا عبد المطلب کو خیال آیا کہ پرانے چشمے کی جگہ کنواں کھودا جائے۔ انہوں نے اس جگہ کھدائی کی، مخالفت بھی ہوئی مگر بالآخر وہ کامیاب رہے۔ بعض لوگ لکھتے ہیں کہ عبد المطلب کو خواب میں یہ مقام بتایا گیا، مگر ان روایات کی کوئی معتبر سند نہیں۔ زمزم کا کنواں چونکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے کا ہے اور آپ ﷺ نے خود اس کا پانی پیا، اس نسبت سے قابلِ احترام ہے۔ تاہم، اس کے فضائل کے بارے میں جو روایات بیان کی جاتی ہیں، وہ زیادہ تر بے سند، ضعیف یا موضوع (من گھڑت) ہیں۔ حاجی حضرات جو اس پانی کو تبرک سمجھ کر چھوٹی بوتلوں میں بھر کر ساتھ لے جاتے ہیں اور لوگ اس کو ادب سے کھڑے ہو کر پیتے ہیں، یہ سب مذہب اسلام میں ثابت نہیں۔ حقیقتاً یہ پانی عام کنوئیں کے پانی جیسا ہی ہے، ذائقے میں میٹھا نہیں بلکہ قدرے کھارا اور مل ملا ہوتا ہے۔ اگر نکال کر فوراً پی لیا جائے تو پینے کے قابل ہوتا ہے، لیکن محفوظ کرنے سے اس کا ذائقہ مزید خراب ہو جاتا ہے۔[26]

10۔ واقعہ اصحاب الفیل

سرسید کے مطابق واقعہ اصحاب فیل مکہ کی تاریخ کے ان واقعات میں شمار ہوتا ہے جو نمایاں اہمیت کے حامل ہیں۔ اس واقعے کی عظمت در حقیقت اس بنا پر تسلیم کی گئی ہے کہ اس کا ذکر قرآنِ مجید میں آیا ہے، نہ کہ اس لیے کہ یہ اپنی نوعیت کا کوئی بے مثال اور حیرت انگیز واقعہ تھا۔ اصل واقعہ اپنی حقیقت میں سادہ اور واضح ہے، لیکن ہمارے بعض مفسرین اور روایت تراش حضرات نے اسے افسانوی رنگ دے کر اس کی سادگی کو مجاز و مبالغہ میں چھپا دیا ہے، حتیٰ کہ وہ قصہ جو اصل میں ایک تاریخی اشاریہ تھا، الف لیلیٰ کی داستانوں سے بھی زیادہ عجیب بنا دیا گیا۔ سرسید کہتے ہیں کہ میں یہاں ان بے بنیاد اور من گھڑت روایتوں پر بحث نہیں کرنا چاہتا، نہ ہی ان تفسیری افراط و تفریط پر کلام مقصود ہے جنہوں نے قرآن کی آیات کا مفہوم بگاڑ کر پیش کیا۔ یہ ایک الگ، طویل اور تحقیقی گفتگو کا میدان ہے۔ میرا مقصد صرف اتنا ہے کہ اس تاریخی واقعہ کو بغیر کسی افسانہ سازی، سادگی اور حقیقت کے ساتھ بیان کیا جائے، تاکہ اصل حقیقت قارئین پر واضح ہو سکے۔ کتبِ سیر و تاریخ میں ذکر ملتا ہے کہ اصحابِ فیل سے قبل تبّع نامی ایک بادشاہ نے تین بار کعبہ کو منہدم کرنے کا ارادہ کیا، مگر ہر بار وہ کسی نہ کسی آفت و عذاب میں مبتلا ہو کر اپنے ارادے سے باز آ گیا۔ اگرچہ یہ واقعات اتنے مشہور نہیں ہوئے، مگر اصل شہرت اصحابِ فیل کے واقعے کو حاصل ہوئی۔[27]

ابرہہ الاشرم، جو یمن میں ایک عیسائی گورنر تھا، نے صنعاء میں ایک شاندار گرجا تعمیر کیا جس کا نام "قلیس" رکھا۔ اس کی خواہش تھی کہ لوگ خانۂ کعبہ کی بجائے اس گرجا کا حج کریں۔ اسی تعصّب اور بغض کی بنیاد پر اس نے کعبہ کو ڈھانے کا منصوبہ بنایا۔ وہ ایک بڑی فوج اور چند ہاتھیوں کے ساتھ مکہ کی جانب روانہ ہوا اور مقام شمس پر پڑاؤ ڈالا۔ قریش

---

[25] سرسید احمد، الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ، (لاہور، دوست ایسوسی ایٹس) صفحہ 300

[26] ایضاً، صفحہ 300

[27] سرسید احمد، الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ، (لاہور، دوست ایسوسی ایٹس)، صفحہ 303-304

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 1, No. 4 (2024)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

نے مقابلے کی تیاری کی، مگر ابرہہ کی قوت کے آگے خود کو بے بس پایا۔ ابرہہ نے پیغام بھیجا کہ میری جنگ تم سے نہیں، میرا مقصد صرف کعبہ کو گرانا ہے۔ اسی دوران اس کے لشکر میں چیچک کی ایسی وبا پھیل گئی جو اس سے پہلے کبھی دیکھی نہ گئی تھی۔ لشکر تباہ و برباد ہو گیا، اکثر سپاہی مر گئے اور باقی شکستہ حالت میں واپس لوٹ گئے۔ یوں قدرتِ خداوندی نے خانہ کعبہ کو ان کے شر سے محفوظ رکھا اور ان کے ناپاک ارادوں کو خاک میں ملا دیا۔[28]

سر سید کے اس نقطہ نظر کا رد سورہ فیل سے ہوتا ہے جو اس کا واضح ثبوت ہے کہ وہ چیچک کی بیماری سے ہلاک نہیں ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے پرندوں کے جھنڈ ،جنھوں نے منہ میں کنکریاں لے کر ان پر گرائی تھیں جو اللہ کے حکم سے بڑے بھاری پتھروں کی مانند ان پر پڑیں تو وہ ہلاک ہو گئے۔

11۔ شق صدر اور واقعہ معراج

سر سید احمد خاں شق صدر کو شرح صدر سے تعبیر کرتے ہیں، اپنی رائے کی تائید میں سورہ الشرح کی آیت بیان کرتے ہیں، آیت درج ذیل ہے۔

" اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ ۞ "[29]

ترجمہ: "کیا ہم نے تیرا سینا کھول نہیں دیا"

سر سید لکھتے ہیں کہ

"آیت میں سینہ کے چیر پھاڑ کا کہیں ذکر نہیں ہے، اور اس کے اصلی اور اصطلاحی معنیٰ جیسا کہ مفسرین نے بھی تسلیم کیا ہے، اس کشادگی کے ہیں جو دل اور سینہ میں عقلی اور روحانی وسعت سے عرفان الہیٰ اور وحی کے منبع ہونے کے لیے کی گئی تھی"[30]

سر سید چونکہ عقل پرستوں کے سرخیل ہیں۔ لہذا وہ معراج کو حالت بیداری بجسد عنصری پر انکاری ہیں اور اسے رویاء یعنی خواب قرار دیتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ چونکہ انبیاء کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں، اپنی رائے کی تائید میں آیات لکھ کر تاویل کرتے ہیں اور ساتھ ہی چند روایات بیان کرتے ہیں۔ آیات درج ذیل ہیں۔

" سُبۡحٰنَ الَّذِىۡۤ اَسۡرٰى بِعَبۡدِهٖ لَيۡلًا "[31]

"خدا اپنے بندے کو رات میں لے گیا دلالت کرتا ہے کہ خواب میں یہ امر واقع ہوا تھا جو وقت عام طور پر انسانوں کے سونے کا ہے ورنہ لیلا کی قید لگانے کی ضرورت نہ تھی۔"

" وَمَا جَعَلۡنَا الرُّءۡيَا "[32]

"میں رویاء سے خواب مراد ہے اور ابن عباس کی حدیث میں "قال ھی رویا عین" سے ان معنوں میں تغیر نہیں آتا"۔

پھر مالک بن صعصعہ اور انس بن مالک کی حدیثیں جو بخاری و مسلم میں مذکور ہیں سے ثابت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ سو رہے تھے۔

پھر صحابہ کا مذہب بیان کرتے ہیں کہ معاویہ، حسن، حذیفہ بن الیمان، اور حضرت عائشہ کا بیان تھا کہ اسراء یا معراج خواب میں ہوئی ہے۔

سر سید، شق صدر اور معراج کے بحالت بیداری واقع ہونے کے بارے میں روایات کا ان الفاظ میں رد کرتے ہیں؛

---

[28] ایضا

[29] سورہ الشرح، آیت 1

[30] سر سید احمد، الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ، (لاہور، دوست ایسوسی ایٹس) صفحہ 350

[31] سورہ بنی اسرائیل، آیت 1

[32] سورہ بنی اسرائیل، آیت 60

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 1, No. 4 (2024)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

" یہ سب روایتیں ایک دوسری سے اس قدر مختلف ومتناقض ہیں کہ ان کے قواعد کے پیش کرنے کی جن سے ان کا باطل اور موضوع ہونا ثابت ہو سکتا ہے غیر ضروری ہے۔ کیونکہ یہ خود روایتیں صراحتہ ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں اور اپنی صحت اور اعتبار کو خود کھو دیتی ہیں۔"[33]

12۔مہر نبوت

سر سید سر ولیم میور کے مہر نبوت پر اعتراض کا رد مہر نبوت کے انکار سے کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ تمام مستند احادیث سے ثابت ہے کہ وہ سیاہ غدود تھی جس پر بال تھے، اس کے علاوہ اس کی حیثیت کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت محمد ﷺ نے مہر نبوت کا نہ کبھی دعویٰ کیا تھا ورنہ ہی اپنی نبوت کے اثبات کے لیے اسے پیش کیا جیسا کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنی نبوت کے اثبات کے لیے ید بیضا کو لوگوں کے سامنے پیش کیا، چونکہ نبی کریم ﷺ کی ہر چیز کی تعظیم کی جاتی ہے اس لیے پشت کے غدود کو مہر نبوت سے بطور استعارہ پکارا جانے لگا۔ شمائل ترمذی کا حاشیہ جو مسمیٰ باجوری نے لکھا ہے، وہاں ابن حجر کی رائے سے استدلال کرتے ہیں کہ ابن حجر نے بھی راویوں کا وہم بیان کر کے مہر نبوت کا انکار کیا ہے۔

حالانکہ سر سید وہاں عبارت کو سمجھ نہیں پائے کیونکہ ابن حجر عسقلانی نے ان تمام روایوں کے بیان کو وہم قرار دیا ہے جن روایوں نے دو کندھوں کے درمیان حروف کے مرقوم ہونے کا بیان ہے، کہ وہ فلاں فلاں حروف تھے۔ ابن حجر عسقلانی نے ان حروف کا انکار کیا ہے نہ کہ مہر نبوت کا انکار کیا ہے۔ اس کے ساتھ سر سید ابن ابی رمثہ کے والد کا رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر اس نشان کو دیکھ کر علاج کا کہنا کیونکہ وہ طبیب تھے، اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان کہ تم طبیب ہو اور اللہ رفیق ہے، اس سے مہر نبوت کو محض بیماری کی وجہ سے ابھرا ہوا نشان ثابت کرتے ہیں اسی طرح وہ انکار محض کرتے ہیں۔[34]

خلاصہ بحث

انیسویں صدی عیسوی میں پورا عالم اسلام مستشرقین کے حملوں کی زد میں تھا۔ مستشرقین کے حملوں سے پیدا ہونے والے تاثر کا ازالہ بھی مصنف کے پیش نظر ہے اور یہ بھی واقعہ ہے کہ علماء نے اس دور میں مستشرقین کے مقابلے پر صرف دفاعی کام کیا ہے۔ اقدام کی حیثیت کا کوئی علمی کام ہمارے علم میں نہیں اور دفاعی کام کرنے والے بھی دو گروہ نظر آتے ہیں۔ پہلا گروہ تھا جو اس درجہ مرعوب تو نہیں تھا کہ مسلمات شرعیہ میں تاویل کے راستے تلاش کرے لیکن وہ ایسی چیزوں کو نقل کرنے کا اہتمام کرتا تھا جس پر مستشرقین کا اعتراض کم سے کم ہو۔ شبلی نعمانی مرحوم یہ اسی پہلے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ دوسرا گروہ تو ان مستشرقین کے حملوں سے اتنا مرعوب تھا کہ اس نے مسلمات شرعیہ سے انکار یا ان میں رکیک تاویل تک سے اجتناب نہیں کیا۔ اس گروہ کی مشہور شخصیت سر سید احمد خان تھے۔ اور اس پر یہ بات مستزاد ہے کہ خود ان کا اندازِ فکر عقل کو نقل پر ترجیح دینے کا ہے، جس کی وجہ سے انہیں معتزلہ کے اندازِ فکر کا حامل قرار دیا گیا ہے۔ خلاصہ کے طور پر یوں کہنا چاہیے کہ خود ان کا انداز فکر یہ ہے کہ عقل کو نقل پر ترجیح دی جائے پھر یہ مجبوری کہ ایسی نقل چاہیے جس پر مستشرقین کو مطمئن کیا جا سکے۔

---

[33] سر سید احمد، الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ، (لاہور، دوست ایسوسی ایٹس) صفحہ 374

[34] ایضا، صفحہ 380-381